خطاب: علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

کاوش: حافظ محمد عمر بن حافظ محمد سلیم

مالی معاملات کے شرعی اصول

خطبہ مسنونہ کے بعد:

امابعد،قال اللہ تعالیٰ:﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝﴾

وقال النبی ﷺ من كانت عنده مظلمة من أخيه من عرضه أو ماله فليتحلله اليوم قبل أن يوخذ حين لا يكون دينار ولا درهم.(مسند احمد:10573)

محترم علمائے کرام اور حاضرین مجلس مال کے تعلق سے دو سوال ایسے ہیں جو سب سے ہونے ہیں، مجھ سے بھی، آپ سے بھی، اور اس کائنات کے ہر ہر فرد سے بھی، نبی علیہ السلام کی جو مشہور حدیث ہے:

لا تزول قدما ابن آدم یوم القیامة من عند ربه حتى يسال عن خمس.

کہ بندے کے قدم اللہ تعالیٰ کی عدالت سے بالکل نہ ہل سکیں گے یہاں تک کہ وہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دے دیں، یہ عدالت سب پر قائم ہونی ہے، اور یہ پانچ سوال سب سے ہونگے، ان میں سے دو سوالوں کا تعلق مال سے ہے:

عن ماله من اين اكتسبه وفيم انفقه.

(جامع ترمذی:2916)

مال کہاں سے کمایا، آمدنی کے ذرائع کیا تھے، کہاں سے حاصل ہوا، حلال یا حرام؟ اگر تو حرام ذرائع ہیں تو پھر اس کی ہیبت ناک سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ، کیونکہ نبی علیہ السلام کی حدیث:

لن يدخل الجنة لحم نبت من سحت.

انسان کا جو گوشت یا خون رزق حرام سے بنتا ہے وہ جنت میں داخل ہو نہیں سکتا۔ (سنن دارمی:2818)

اور ایک حدیث میں ہے:

النار اولیٰ به. (مسند احمد: 19441)

اس گوشت کی حقدار جہنم کی آگ ہے تو اگر ذریعہ حرام کا ہو تو پھر یہ سزا طے شدہ ہے اس کی۔ پھر دوسرا سوال: فیما انفق. خرچ کہاں کیا، حلال ذرائع سے کما تو لیا، اب یہ حساب دو کہ یہ خرچ کہاں کیا؟ ایک ایک پیسے کے مصرف کا حساب دینا ہوگا۔ اور یہی حساب لمبا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کروڑوں، اربوں کا مالک ہے تو اگر ایک ایک پیسے کا حساب دینا پڑ گیا، کمانے کا بھی اور خرچ کرنے کا بھی، تو کتنا طویل اس کا معاملہ ہوگا، کتنا لمبا اس کا حساب ہوگا، اسی لئے مال کی کثرت قابل تعریف چیز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ اگر چاہیں تو ہم یہ پہاڑ سونے کا بنا دیں اور جو اس کے حجر ہیں یعنی کنکر ہیں، پتھر ہیں ان کو ہیرے کا بنا دیں، اور یہ پہاڑ آپ کے ساتھ چلیں، یہ ہیروں کا ڈھیر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے، عرض کیا کہ یا اللہ! نہیں۔ مال کی کثرت مجھے نہیں چاہئے، کہا کہ:

لكن اشبع يوما، واجوع يوما.(مسند احمد:22190)

میری یہ چاہت وخواہش ہے کہ میں ایک دن کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، کثرت مال مطلوب نہیں، جتنا مال زیادہ ہوگا اتنا حساب طویل ہوگا، جب ایک ایک پیسے کے حساب دینے کا وقت آجائے گا تو یقیناً یہ گھڑیاں بڑی شاق گزریں گی، اس لئے ہمارے جو مالی معاملات ہیں وہ بالکل سیدھے ہونے چاہئیں، اعتدال پر اور شریعت کی ہدایات کے مطابق۔

مالی معاملات کیا ہو سکتے ہیں ، جیسے تجارت ، خرید وفروخت ، کاروباری لین دین ، اسی طرح مالی معاملات میں قرض کا معاملہ ہے ، کسی سے قرض لیا کسی کو قرض دیا ، اسی طرح مالی معاملات میں امانتوں کا معاملہ ہے ، امانتیں آپ کو سونپیں گئیں جس مقصد کے لئے وہ مقصد ادا ہوا یا نہیں ہوا ؟ اس مقصد پر وہ مال خرچ ہوا یا نہیں ہوا ؟ اسی طرح مالی معاملات میں میراث ہے ، بندہ فوت ہوگیا اس کا مال ہے ، اس کا ترکہ ہے ، اس کے ورثاء ہیں ، بیٹے ہیں ، بیٹیاں ہیں ان میں وراثت تقسیم ہوگی ، ہر ایک کا حق ادا کر دیا گیا ؟ اسی طرح مالی معاملات میں ایک شخص کا اپنے اہل وعیال پر نفقہ ہے ، بیوی بچے ، ان پر خرچ کرنا یہ بہت سے مالی امور ہیں ، اور ان سارے امور میں شریعت کی ہدایات ، واضح قوانین اور قواعد موجود ہیں ، جن سے روگردانی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے ، عذاب کا سبب بن سکتی ہے ، اسی لئے جتنے بھی مالی معاملات ہیں ، ضروری ہے کہ ان کے بارہ میں ہمیشہ شریعت کی ہدایات کو مدنظر رکھیں ، اور مالی اعتبار سے کسی پر ظلم نہ ہو ، نہ خرید وفروخت میں نہ ہی لین دین کے دیگر معاملات میں جیسے قرض ہے ، یا اہل وعیال کے نفقہ پر جو خرچ کرنا ہے اس میں ظلم نہ ہو اور نہ ہی میراث کی تقسیم میں کیونکہ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے جس شخص نے اپنی کسی بھائی پر ظلم کر رکھا ہو ، فی عرضه او ماله . اس کی عزت کے تعلق سے یا اس کے مال کے تعلق سے فلیتحلل منه الیوم . تو آج ہی اس کے پاس چلے جاؤ ، اور اپنے دامن کو بری کروالو ، اپنے آپ کو پاک صاف کروالو ، معافی تلافی کر کے آج ہی اس سے اپنا معاملہ صاف کروالو ، موت کسی وقت بھی آسکتی ہے ، تو " قبل ان یاتی یوم لا درهم له ولا دینار ." قبل اس کے کہ وہ دن آجائے کہ جس دن بری ہونے کے لئے نہ تمہارے پاس درہم ہونگے اور نہ دینار ، دنیا کی کرنسی نہیں ہوگی اور نہ وہاں وہ کام آئے گی ، اگر وہاں کہیں نظر آبھی جائے اگر وہاں ڈھیر ہو سونے ، چاندی کا تو وہ کام نہیں آئے گا ، ہر مارکیٹ کی ایک کرنسی ہوتی ہے اور جو حشر کا بازار ہے " میدان محشر " اس کی کرنسی اعمال ہیں ، ایک ہی سکہ اس دن چلے گا اور وہ اعمال کا سکہ ہوگا ، کسی پر زیادتی کی تو پھر دامن بری اعمال کے ذریعے سے ہوگا ، اللہ رب العزت نیکیاں مظلوم کو دے دے گا ، اور مظلوم کے گناہ آپ کے سر ڈال دے گا ، تو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس دن درہم ودینار نہیں ہوگا ، اس دن دامن چھڑانے کے لئے اعمال کی کرنسی لائی جائے گی اور نیکیوں اور گناہوں کو تقسیم کر کے اللہ رب العزت تصفیہ کرے گا اور فیصلے کرے گا ، اور اللہ رب العزت اپنا انصاف قائم کرے گا ، لہذا ہر معاملے میں مالی اعتبار سے شریعت کے جو قواعد ہیں ، شریعت کی جو ہدایات ہیں انہیں مدنظر رکھا جائے ، جیسے سب سے بڑھ کر تجارت ، کاروبار اور کاروبار بہترین پیشہ ہے ، انسان اگر دو چیزیں کاروبار میں قائم رکھے تو اس کی فضیلت ہے :

(۱) پہلی چیز

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء ۔ (سنن دارمی : 2581)

وہ تاجر جو سچا ہو اور امانت دار ہو ۔ دو چیزیں صدق ، امانت ہمیشہ اس پر قائم رہے جب بھی بیچے سچ بولے ، اور جو امانت کے تقاضے ہیں مال کے حوالے سے وہ پورا کرے ، قیامت کے دن ایسا تاجر انبیاء کے ساتھ ہوگا ، صدیقین وشہداء کے ساتھ یہ اس کا درجہ ومقام ہے اللہ رب العزت اس تاجر کو انبیاء ، صادقین وشہداء کی رفاقت عطا فرمائے گا ۔ اسی طرح نبی علیہ السلام کی ایک اور حدیث :

" أن التجار هم الفجار . " (مسند احمد : 15530)

دنیا میں سب سے بڑے فاجر تاجر ہوتے ہیں ، یعنی تاجر ہی فاجر ہوتے ہیں ، بہت کم تاجر ایسے ہیں جو فاجر نہ ہوں اور جو فاجر نہیں ہیں بلکہ سچے ہیں تو اللہ رب العزت ان کو انبیاء کی رفاقت دے گا تو دو بڑے سنہرے اصول یہاں آگئے ، کاروبار میں صدق ، سچائی اور امانت ، بندہ ہر لحاظ سے امین ہو ، امانت دار ہو حتی کہ جو سودا بیچ رہا ہے اگر اس میں کوئی کمی ہے ، نقص ونقصان ہے تو اسے بیان کرے کہ اس میں یہ کمی ہے اگر قیمت کم ہوتی ہے تو اللہ تعالی برکت دینے والا ہے ، لیکن امانت کے

تقاضے پورے کرے، کاروبار کے جو دو سنہری اصول ہیں، صدق، امانت ہمیشہ انہیں ملحوظ رکھے۔ جب بولے سچ بولے، وعدہ کرے سچا وعدہ کرے، اور ہمیشہ خیر خواہی کو بھی ملحوظ رکھے کہ جس کو میں فلاں چیز بیچ رہا ہوں اس سے میں نے خیر خواہی کرنی ہے نہ کہ اس کو لوٹنا ہے، نہ ہی اس کو نقصان پہنچانا ہے اور یہ بات بھی شرعی طور پر بطور اصل کے بیان ہوئی ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کی ایک حدیث ہے، جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں صحیح مسلم کی روایت ہے:

"نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الحصاۃ وعن بیع الغرر" (مسلم:1513)

نبی علیہ السلام نے دو سودوں رتجارتوں سے روکا ہے ایک بیع الحصاۃ اور دوسرا ہے بیع الغرر۔ جاہلیت میں یہ دو سودے ہوا کرتے تھے، آج یہ سودے ہوتے ہیں نام تبدیل کر کے۔ بیع الحصاۃ کا معنی وہ سودا جس کا تعلق کنکریوں سے ہو، اس کی بہت سے شکلیں تھیں، مثال کے طور پر ایک شخص یوں کہے کہ یہ سامنے جو مال ہے یا کچھ بکریاں وغیرہ ہیں میں سامنے ان بکریوں کی طرف یہ کنکری پھینکتا ہوں جس بکری کو یہ کنکری لگے گی وہ آپ مجھے سو روپے میں دیں گے، اب ممکن ہے کہ وہ بڑی عمدہ و قیمتی قسم کی بکری ہو اس کی قیمت دو سو روپے ہو تو اس میں کسی کو دھوکا ہو رہا ہے، بیچنے والے کو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کنکری کسی کمزور اور لاغر سی بکری کو لگے جس کی قیمت ۵۰ روپے ہو تو اب نقصان خریدنے والے کو ہو رہا ہے، یہ سودے کی ایک ایسی صورت ہے کہ جس میں طرفین میں سے کسی ایک کے لئے نقصان کا پہلو موجود ہے۔ بعض ایسے سودے اندھیرے میں ابہام کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ اپنی مٹھی میں کنکریاں لے لیں جتنی آپ کی مٹھی میں کنکریاں آئیں گی اتنے روپوں کی میں آپ کو یہ بکری دوں گا، مثلاً اگر پچاس کنکریاں آئیں گی تو بکری پچاس روپے کی ہوگی۔ بعض کی مٹھیاں زیادہ بھری ہوئی ہوتی ہیں اس میں مثال کے طور پر سو کنکریاں آگئیں تو بکری سو روپے کی، ان میں طرفین میں سے کسی نہ کسی کو نقصان ہے تو یہ ابہام کے سودے ہیں اور یہ جائز نہیں ہیں۔ ایسے سودے اگر آپ کر بھی بیٹھے تو بھی یہ ناجائز ہیں ان کو واپس کرنا ضروری ہے۔ جس کی آج کے دور میں ایک شکل انشورنس ہے۔ انشورنس گاڑی کی یا زندگی کی، اب یہ سودے مبہم ہیں مثلاً آپ نے انشورنس دے دی ایک لاکھ روپے اپنی جان کی یا بیماری کی کہ اب جب میں بیمار پڑوں گا میرا علاج کمپنی کروائے گی۔ اب اللہ رب العزت نے صحت دی، بیمار پڑے ہی نہیں تو لاکھ روپے چلے گئے، یا پھر ایسی بیماریاں آگئیں کہ پے در پے تکالیف، آپریشن وغیرہ اب اس میں کمپنی کے لاکھوں روپے لگ گئے اس صورت میں آپ نفع میں اور کمپنی نقصان میں، اس کے برعکس کمپنی نفع میں آپ نقصان میں۔ اسی طرح انشورنس گاڑی کا ایکسیڈینٹ ہوا تو کمپنی ٹھیک کروائے گی بعض اوقات نہیں ہوتا اور آپ نے لاکھ روپے بھرے ہوئے ہیں تو پھر کون نقصان میں ہے، اور اگر بار بار ایکسیڈینٹ ہو رہے ہیں کمپنی بار بار ٹھیک کروا رہی ہے یہ سودے کی ساری مبہم شکلیں ہیں یہ ایک قسم کا جوا ہے کہ کبھی کوئی پارٹی نفع میں تو کبھی کوئی۔

اسی لئے اللہ کے نبی علیہ السلام نے "بیع الحصاۃ" سے روکا ہے، بعض اوقات زمانہ جاہلیت میں زمینوں کے سودے ہوا کرتے تھے، مثلاً ایک شخص کے پاس زمین ہے اور وہ اس کو بیچنا چاہتا ہے وہ خریدنے والے سے کہتا ہے کہ آپ کنکری پھینکو جہاں جا کر یہ کنکری گرے گی وہاں تک آپ کو زمین دوں گا، مثلاً دس ہزار روپے میں، اب پھینکنے والے بھی دو طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں: جس میں قوت زیادہ ہے اب وہ پھینکے گا تو کنکری مثلاً ۱۰۰ میٹر دور جا کر گرتی ہے، بعض اوقات ہوا بھی مدد کرتی ہے، ہوا بھی اس طرف چل رہی ہے اور وہ کنکری کو اور دور لے گئی اور بعض آدمی کمزور ہوتے ہیں وہ پھینکتے ہیں تو کنکری دور نہیں جاتی، یہ ساری مبہم صورتیں ہیں اور نبی علیہ السلام نے اس سے روکا۔

وہ کاروبار جس میں کوئی ابہام کی شکل ہو اس کو شریعت نے جائز قرار نہیں دیا اب چاہے کسی ایک کے لئے نفع کا احتمال موجود ہو۔

اسی طرح بیع الغرر سے بھی شریعت نے روکا ہے، بیع الغرر ایسا

سودا جو مبہم ہو اس میں بھی فریقین میں سے کسی ایک کے لئے نقصان کا پہلو موجود ہو، تو ایسا ہر سودا ناجائز ہے۔

تو پھر کاروبار کیسا ہونا چاہئے؟

نمبر:1 جو چیز آپ بیچ رہے ہیں وہ حلال ہو، اب ایک شخص دکان کھول لے شراب بیچنے کی یہ کاروبار ناجائز ہے، آمدنی ناجائز ہے۔ بعض اوقات کاروبار تو حلال ہوتا ہے لیکن کاروبار کا وقت حرام ہوتا ہے، مثلاً جمعہ کا خطبہ چل رہا ہے آپ کاروبار کر رہے ہیں یا نماز ہو رہی ہے، جماعت کھڑی ہے اور آپ دکان کھول کر کاروبار کر رہے ہیں، بعض لوگ خود تو نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں اور دکان پر بچے کو یا نوکر کو بٹھا دیتے ہیں کہ تم سودا بیچو ہم آتے ہیں نماز پڑھ کر، حالانکہ نماز کے اوقات میں یا جمعہ کے خطبہ کے وقت میں اگر کوئی کاروبار کرتا ہے تو وہ حرام ہے تو بعض اوقات کاروبار تو حلال ہوتا ہے لیکن کاروبار کا وقت حرام ہوتا ہے اور بعض اوقات کاروبار ہی حرام کا ہوتا ہے جیسے شراب اور بعض اوقات آپ کا سامان حلال ہے مثلاً آپ کا سونار کا کام ہے لیکن یہ نماز کے اوقات میں ہے تو حرام ہے۔

[يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝] (الجمعۃ:9)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

پتا چلا کہ نماز کے اوقات میں خرید وفروخت چھوڑنا ضروری ہے اگر نماز ہو رہی ہے اور کاروبار چل رہے ہیں، سودے بک رہے ہیں، جو پیسہ آرہا ہے سب کا سب حرام ہے۔

تو کیا کوشش ہو.... شریعت یہ چاہتی ہے کہ آپ کے کاروبار میں کوئی حرام کا عنصر نہ پایا جائے، دیکھیں شریعت نے کتنی وسعت اور سماحت کا معاملہ کیا ہے کہ آپ کو بے پناہ وقت دیا ہے فجر کی اذان ہو گئی اب کیا فرض ہے کہ آپ نماز پڑھیں نماز پڑھ لی۔ اب ظہر کی اذان تک شریعت کی کوئی پابندی نہیں ہے، کاروبار کریں خوب کریں۔ بلکہ نبی علیہ السلام نے صبح کے وقت نکلنا، جلدی نکلنا اس کو بابرکت قرار دیا ہے، اب ظہر تک کوئی پابندی نہیں، لیکن جیسے ہی اذان ہو جائے اور کاروبار بند نہ ہو اب یہ اللہ رب العزت کی ناراضگی کا سبب بھی ہے اور جو کچھ کماؤ گے وہ سب حرام بھی ہے۔

تو اس طرح آپ کے حلال کے کاروبار میں حرام کا عنصر شامل ہو گیا تو لہذا بتائیں یہ حرام بھی کسی عافیت کا باعث ہو سکتا ہے، ایک بندے کا پورا لباس حلال کا ہے صرف ایک چونی کے بقدر اس میں حرام شامل ہے وہ لباس پہن کے نماز پڑھے گا نماز قبول نہیں ہوگی، آپ کہیں گے کہ 100 فیصد حلال کاروبار ہے لیکن آپ غور کریں تو اس میں حرام کا عنصر شامل ہو چکا ہے جو آپ نے حرام وقت میں کمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کتنا وقت دیا ہے فجر سے لیکر ظہر تک انسان بھی کتنا حریص ہے کہ اتنا زیادہ وقت ملنے کے باوجود اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اس کی حرص کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے داعی کو ٹھکرا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی اذان کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔

سلف صالحین میں سے ابراہیم بن میمون الصائغ رحمہ اللہ پیشے کے اعتبار سے سونار تھے بعض اوقات دکان پر بیٹھے ہوتے اور زیور بنا رہے ہوتے اور ہتھوڑی سے ضرب لگانا چاہتے مسجد سے ''اللہ اکبر'' اذان کی آواز آتی، ہتھوڑی وہیں رکھ دیتے۔ ہتھوڑی اب اٹھالی ہے ضرب لگا دوں، نہیں۔ وہیں پھینک کر کھڑے ہوتے اور مسجد کی طرف چلے جاتے، یہ ہے سلف صالحین کا عمل، اب ہم اس قدر وسعت کے باوجود بھی اللہ رب العزت کی ناشکری کریں یہاں تک کہ نمازوں کے اوقات میں بھی کاروبار جاری رکھیں تو یقیناً یہ حلال میں حرام کی آمیزش ہے، اللہ کے امر کو ٹھکرا دیا گیا ہے۔

تو جو بھی مال بیچا جائے یا خریدا جائے وہ حلال ہو، ایک بندہ اگر شراب بیچے یہ صریحاً حرام ہے، لیکن اگر ایک شخص جوس یا دودھ بیچتا ہے

اور اس وقت میں بیچتا ہے جب نماز ہو رہی ہے، جماعت کھڑی ہوئی ہے تو اس شخص کے اس حلال کاروبار میں بھی حرام شامل ہے، تو پہلی بات کہ کام حلال کا ہو، اور وقت وہ ہو جو شریعت نے آپ کو دیا ہو، ظہر کی نماز پڑھ لی اب عصر تک آپ کاروبار کریں، عصر پڑھ لی اب مغرب تک کاروبار کریں، مغرب پڑھ لی عشاء تک کاروبار، کتنا وقت آپ کو دیا گیا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ اس پورے وقت کو پالینے کے باوجود آپ نمازوں کے اوقات میں بھی کاروبار کریں۔

نمازوں سے غافل ہو جائیں، یا خود تو پڑھ لی بیٹے کو بٹھا دیا کہ اب تم کام سنبھالو، کیا بیٹے پر نماز فرض نہیں، بیٹا اگر قیامت کے دن گریبان پکڑ لے کہ یا اللہ میرے باپ سے پوچھ خود تو یہ مسجد جا رہا تھا اور مجھے دوکان پر کاروبار کے لئے چھوڑ گیا کہ میں کاروبار کروں نماز نہ پڑھو۔ کیا جواب دو گے؟؟؟

تو شریعت نے اس قدر آپ کو وقت دیا اور فرصت دی اس کے باوجود آپ حرام وقت میں کاروبار کریں تو یہ حرام کی آمیزش ہے اور پھر کسی قسم کا ابہام نہ ہو بلکہ صراحت ہو کہ سودا کیا ہے اور قیمت کیا ہے، نقد ہے تو یہ قیمت ہے اور بالفرض اگر آپ اقساط پر لے رہے ہیں تو اقساط پر بھی لینا جائز ہے، اقساط پر اگر آپ لے رہے ہیں اور اس میں قیمت زیادہ لگائی جا رہی ہے یہ بھی قابل قبول ہے کیونکہ شریعت میں وقت کی بھی قیمت ہے ایک چیز آپ فوری بیچیں تو وہ دس لاکھ کی ہے اور ایک چیز ہے اس کی قیمت آپ کو سال بعد وصول ہونی ہے اب یہ ایک سال کا جو گیپ ہے اس کی بھی قیمت ہے دس لاکھ میں آپ نے کیش دیا اور بارہ لاکھ میں آپ نے ادھار پر دے دیا یہ بالکل جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ابہام پر نہ ہو، مکمل صراحت و وضاحت کے ساتھ ہو، مثلاً سودا کس کا ہے، گاڑی کا کون سی گاڑی فلاں گاڑی (معلوم ہو) واضح ہو گیا۔ قیمت کتنی ہے، قیمت یہ ہے، مثلاً کیش میں دس لاکھ کی، ادھار میں بارہ لاکھ ہے، متعین ہو گیا یہ دو بیع نہیں یہ ایک بیع ہے کیونکہ ایک بیع میں دو سودے کرنا یہ ناجائز ہے لیکن یہاں ایک ختم ہو چکا ہے اور ایک متعین ہو چکا ہے، اب یہاں صرف ایک ہی بیع ہے لہذا صراحت آگئی اور ابہام ختم ہو گیا، اسی طرح جو مدت ہے ادائیگی کی ۱۰ ماہ ہے یا ۱۲ ماہ ہے، دو سال ہے یا تین سال ....اس کی بھی صراحت آگئی، اب ابہام نہ سودے میں نہ قیمت میں ہے اور نہ ہی مدت ادائیگی میں تو یہ سودا جائز ہے مقصد یہ ہے کہ سودا کسی بھی اعتبار سے مبہم نہ ہو۔ سودے میں سود کا عنصر نہ ہو، سود کا عنصر بھی مال کو ناپاک کر دینے کے ساتھ ساتھ اس میں برکت کو بھی ختم کر دیتا ہے بلکہ سود اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔

آپ سونے کا کام کرتے ہیں نبی علیہ السلام کی حدیث ہے:

لاتبیعوا الذھب بالذھب الامثلا بمثل سواء بسواء یدا بید

سونے کے بدلے سونا مت بیچو اگر بیچنا ہے تو ان شرطوں کے ساتھ: برابری ہو، کوئی کمی بیشی نہ ہو اور نقد ہو یہ دو اور یہ لو، ایک ہاتھ دو دوسرا ہاتھ لو، مؤخر نہ کرو، وگرنہ یہ ربا نسیئۃ ہوگا تاخیر کا سودا اور اگر برابری پر نہیں دے رہا ہے تو یہ ربا الفضل ہے یہ بھی ناجائز ہے اور وہ بھی ناجائز ہے کیونکہ سود کی بڑی قباحت ہے نبی علیہ السلام کی حدیث ہے کہ سود کے ستر شعبے ہیں سب سے ہلکا شعبہ "نکاح الرجل امه علانية. کہ ایک شخص چوک پر کھڑا ہو کر اعلانیہ اپنی والدہ سے نکاح کرے۔ لوگوں کو دیکھا کر، کتنی اس میں قباحت ہے اور پھر یہ بات بھی معلوم ہے کہ سود میں برکت نہیں ہے۔

خرید و فروخت حلال ہو تو اس میں برکت ہے اور سود مال کی نحوست ہے انسان کو اس کا ادراک یا احساس نہیں ہوتا لیکن برکتیں ختم ہو جاتی ہیں تو ان باتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت تجارت میں کیا اصول دیتی ہے یہ کوئی بہت زیادہ مشکل چیز نہیں۔ ہے بلکہ بہت ہی آسان معاملہ ہے کہ کام حلال ہو، وقت حلال ہو سودے میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو، جیسے دور جاہلیت کے سودے تھے، 'بیع الحصاۃ' کے سودے اب اس سودے میں صریحا ابہام موجود ہے، جیسے لوگ کہتے ہیں فلاں

تالاب میں جتنی بھی مچھلیاں ہیں آپ ایک لاکھ روپے میں لے لیں اب وہ کم بھی ہو سکتی ہیں اور زیادہ بھی ہو سکتی ہیں، اب یہ سودا ناجائز ہے، آج کل ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ "یہ مال جہاں اور جیسے ہے کی بنیاد پر ہے" جو لینا چاہے وہ یہ ٹائٹل پڑھ کر لے لے۔ یہ مبہم سودا ہے جو کہ جائز نہیں ہے اور اس کو کوئی معمولی حیثیت نہ دی جائے، ناجائز کاروبار کرنا یوں سمجھیں کہ یہ اعمال کی بربادی ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، "بیع العینة" سودے کی ایک صورت ہے یہ کر بیٹھے 'بیع العینہ' ہو سکتا ہے آج کل بھی ہو مثلاً ایک بندے کو کچھ رقم چاہیے اب کیش اس کو نہیں مل رہا، تو وہ ادھار پر گاڑی خرید لیتا ہے ۱۲ لاکھ روپے کی، اب گاڑی تو اس کو نہیں چاہیے تھی اس کو تو کیش چاہیے تھا، اب یہ بندہ اسی دوکان دار سے کہے کہ تم یہ گاڑی نقد مجھ سے ۱۰ لاکھ روپے کی لے لو، اب ظاہر ہے اس میں نقصان تو ہے، تو یہ معاملہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ہو گیا، ام المومنین جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو فرمانے لگیں: زید! تم نے نبی علیہ السلام کے ساتھ نمازیں پڑھیں، سفر کیے، بار بار جہاد کیا، روزے رکھے، تمہارے اس سودے نے سب کچھ برباد کر دیا الا یہ کہ تم توبہ کر لو۔ یہ سودا واپس کر لو، بعض اوقات ایک انسان کو علم نہیں ہوتا ایسا سودا کر بیٹھتا ہے۔

جناب بلال حبشی رضی اللہ عنہ سفر سے واپس آئے تو سوچ رہے تھے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ لوں یہ دیکھا کہ نبی علیہ السلام کو کھجوریں پسند ہیں ان کے پاس جو کھجوریں تھی وہ کچھ ہلکی کوالٹی کی تھیں وہ انہوں نے ایک بندے کو دیں مثلاً اگر وہ دو کلو تھیں اس کے پاس سے بہترین کوالٹی کی اعلیٰ قسم کی کھجور ایک کلو اس دو کلو کے بدلے لے لیں نبی علیہ السلام کو پیش کیں آپ خوش ہوئے، فرمایا بلال یہ کھجوریں کہاں سے لیں، جناب بلال نے بتا دیا کہ اس طرح کیا کہ اپنی دو کلو کھجوریں دے کر اس سے ایک کلو لے لیں، آپ کے لئے، فرمایا: نہیں یہ سودا غلط ہو گیا یہ سود ہے۔ ایک ہی جنس کی دو چیزیں ہوں ان میں تبادلہ برابری کی بنیاد پر ہو، اگر ایک کلو دی ہے تو ایک کلو لو، اب کیا کروں۔۔۔؟؟ فرمایا جاؤ واپس اپنی کھجوریں لے لو اور یہ اس کو دے دو، اور اگر یہ کھجور چاہیے تو اپنی کھجور بیچو، روپے پیسے کے بدلے، اس روپے پیسے سے یہ خرید لو۔ معاملہ تقریباً وہی بنتا ہے لیکن پہلے جنس ایک تھی اب جنس مختلف ہے تو تبادلہ درست ہے۔ لہذا یہ سودا جائز ہے۔

اگر سونا سونے کے بدلے ہے تو بلکل برابری کے ساتھ ہو، اگر سونا چاندی کے بدلے ہے تو پھر چاہے آپ ریٹ Fix کر لیں لیکن ہو یدا بید، ادھار نہ ہو، تو لہذا نبی علیہ السلام نے جو باتین بیان فرمائیں ہے ان کا ماحصل یہی ہے کہ کاروبار ہونا چاہئے لیکن بڑی دیانت داری کے ساتھ، امانت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، لیکن کاروبار میں ابہام، نقصان کسی ایک سے بھی نہ ہو، امکانِ ضرر بھی کسی کے لئے نہ ہو، اور خیر خواہی پر قائم ہو۔

"لاتناجشوا" یہ بیع نجش، یہ بھی بیع کی ایک صورت ہے، جو اکثر منڈیوں اور کاروباری مراکز میں ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سودا دو لوگوں کے درمیان ہو رہا ہوتا ہے اور تیسرا بیچ میں آ جاتا ہے، بسا اوقات لوگوں کی ملی بھگت بھی ہوتی ہے کہ جب سودا ہو رہا ہو تو تم بیچ میں آ جانا، اور کہنا کہ یہ مال مجھے دے دو مثلاً ایک موبائل پر بات چل رہی ہو کہ یہ بیس ہزار روپے کا ہے اور وہ کہے کہ جی یہ مجھے بڑا پسند ہے مجھے آپ 25000 ہزار کا دے دیں تا کہ اصل جو خریدار ہے وہ ریٹ بڑھا دے، اب یہ سودا خیر خواہی کے تقاضوں کے مکمل خلاف ہے، حالانکہ وہ بیچ میں آنے والا تیسرا شخص خریدار نہیں ہوتا ہے صرف وہ دکاندار سے ملا ہوا ہوتا ہے کہ چاہے اس چیز کا معیار کچھ بھی ہو وہ آ کر ریٹ بڑھا دے جس سے اصل خریدار دھوکے میں آ کر ان دونوں کے جال میں پھنس جائے اور زیادہ سے زیادہ پیسہ دے کر وہ مال خریدے۔ اسی بناء پر نبی علیہ السلام نے فرمایا: لاتناجشوا۔ دھوکہ مت دو۔ خیر خواہی کے اصولوں کو اپناؤ نبی علیہ السلام کے ایک صحابی جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ:

بایعت رسول الله ﷺ علی اقام الصلوٰة وایتاء الزكاة

والنصح لکل مسلم۔ (صحیح بخاری: 51)

ترجمہ: جناب جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام سے نماز ادا کرنے پر، زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی ہے۔

انہی جناب جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، جناب جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو بھیجا کہ میرے لئے گھوڑا خرید کر لاؤ، غلام نے مارکیٹ میں ایک گھوڑا دیکھا جو پسند آگیا اس کی قیمت پوچھی، مثلاً: تین ہزار درہم، کوشش کی کم ہوجائے وہ کم کراتے کراتے اس کو دو ہزار پر لے آئے، اب بات قیمت کے متعلق ختم ہوگئی تو غلام نے اس گھوڑے کے مالک سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میرے مالک اس کو دیکھ لیں پسند کرلیں تو آپ قیمت لے لیں، چنانچہ جناب جریر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بتایا کہ اس کی قیمت دو ہزار روپے متعین ہوئی ہے، جناب جریر رضی اللہ عنہ گھوڑے کو اچھی طرح دیکھتے ہیں، اس کی پیشانی دیکھی، اس کا منہ، اس کے ہاتھ پاؤں دیکھے وہ پسند آگیا کہا یہ گھوڑا دو ہزار کا نہیں ہوسکتا یہ تو تین ہزار کا ہونا چاہئے پھر آپ نے کہا کہ میں اس کی سواری کرنا چاہتا ہوں جب آپ نے اس کی سواری کی تو اس کی دوڑ، چال بڑی شاندار تھی اس کا انداز بہت اعلیٰ تھا، پھر کہنے لگے یہ تین ہزار کا بھی نہیں بلکہ پانچ ہزار کا ہونا چاہئے، غلام بڑا پریشان ہوا کہ میں نے بڑی مشکل سے اس کا ریٹ کم کروایا تھا، اور آپ اس سے بھی زیادہ کہہ رہے ہیں جناب جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ گھوڑا جو تم دو ہزار میں بیچ رہے ہو اس میں دو باتیں ہوسکتی ہیں یا تو تمہیں اپنے گھوڑے کے اوصاف نہیں معلوم، یا پھر تم مجبور ہو تم کو پیسے چاہئیں جبکہ میرا معاملہ یہ ہے کہ میں نے تو اپنے نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی، لہٰذا جناب جریر رضی اللہ عنہ نے اس گھوڑے کی قیمت پانچ ہزار درہم ادا کی۔

بعض اوقات ہم بھی سودا کرتے ہیں لیکن بیچنے والے کو مال کی قیمت کا علم نہیں ہوتا، بات بہت ہی سستی قیمت پر طے ہوجاتی ہے اس پر ہم بڑے خوش ہوتے ہیں کہ جناب ہم بڑے ہی ہوشیار ہیں، کہ ہم نے اتنی اچھی چیز اتنی کم قیمت میں لے لی، اور فلاں کو بیوقوف بنالیا.... نہیں یہ ہوشیاری نہیں ہے۔

شروع میں آپ نے نبی علیہ السلام کا فرمان سنا: کہ ایک صادق اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ ہوگا، صدیقین کے ساتھ ہوگا، شہداء کے ساتھ ہوگا۔

تو ان چند نصوص سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ شریعت کس قسم کی تجارت چاہتی ہے؟ باقی پورا کتاب البیوع، کتب احادیث میں موجود ہے، آپ ان کے اردو تراجم (جو ہو چکے ہیں) انہیں پڑھیں، اپنی اپنی مساجد کے شیوخ سے کہیں کہ اپنی مساجد کے دروس میں کتاب البیوع کو شامل کریں اس سے آپ کو وہ تفصیلات حاصل ہونگی جس پر شریعت کے اصول قائم ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

بقیہ	بدیع التفاسیر	

(۴) جب خبر پر داخل ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) غیر موجب جو کسی قاعدے کے تحت ہو جیسے: ﴿مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (البقرۃ:۷۴) (۲) موجب جب وہ سماعی ہوتا ہے یہ صرف عرب سے سماع پر موقوف ہوتا ہے اخفش اور دوسرے اس کے لئے یہ مثال پیش کرتے ہیں: ﴿جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا﴾ (یونس:۲۷)

(۵) اس صورت میں کہ جب حال واقع ہو اور اس کا عامل منفی ہو جیسے قول شاعر:

فما رجعت بخائبة رکاب
حکیم ابن المسیت منتہا ہا

(۶) جب نفس یا عین سے تاکید واقع ہو جیسے: ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ﴾ (البقرۃ:۲۲۸)

(جاری ہے)